ترجمہ وتلخیص

احادیث اور اقوالِ ائمہ میں تعارض کے اسباب

علامہ ابن تیمیہؒ

مترجم: الطاف احمد مالانی عمری

قرآنی تصریح کے مطابق مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ اہل ایمان سے بھی محبت کریں بالخصوص علماء سے جو انبیاء کے وارث ہیں جن کی حیثیت بیابان کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کی ہے اور جن کے صاحب علم وفضل اور ہدایت یافتہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

پچھلی تمام امتوں میں ان کے علماء ہی ان کے بدترین افراد ہوا کرتے تھے جبکہ امت محمدیہ میں علماء اس کے بہترین افراد ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور آپ کی متروک سنتوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ ان کے ذریعہ قرآن مجید کا پیغام زندہ ہے اور ان کے توسط سے قرآن مجید سمجھا جاسکتا ہے اور وہ قرآن کی روشنی میں رہنمائی کرتے ہیں۔

اتباع رسول کی فرضیت پر علماء کا اتفاق ہے

جاننا چاہیے کہ امت مسلمہ میں مقبولیت کے مقام پر فائز ائمہ کرام میں سے کوئی بھی عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ سنت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے اور آپ کے علاوہ دیگر لوگوں کی باتیں قبول کی جاسکتی ہیں اور چھوڑی بھی جاسکتی ہیں لیکن آپ کے کسی ارشاد کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

ترکِ حدیث کے اسباب

اگر کسی امام کا کوئی قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس حدیث کو ترک کرنے کے لیے اس کے پاس ضرور کوئی نہ کوئی عذر ہوگا۔

ایسے تمام اعذار تین قسموں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

پہلی قسم: یا تو اس کا خیال یہ ہوگا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

دوسری قسم: یا وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ حکم مستنبط نہیں ہوتا۔

تیسری قسم: یا وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

ان تینوں قسموں کے مختلف اسباب ہیں۔

پہلا سبب: حدیث کا نہ پہنچنا

ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث اسے نہ ملی ہو اور جب حدیث ہی نہیں ملی تو اس کا حکم جاننے کا بھی وہ مکلف نہیں ہے اس صورت میں اس نے پیش نظر مسئلہ میں آیت کے ظاہری مفہوم، یا کسی دوسری حدیث یا قیاس[1] یا استصحاب[2] کی بنا پر جو بات کہی ہے وہ اس حدیث کے موافق بھی ہوسکتی ہے اور مخالف بھی۔

سلف کے بیشتر اقوال جو احادیث کے خلاف محسوس ہوئے ہیں ان کی بڑی وجہ عموماً یہی ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثوں سے واقفیت کسی بھی امام کے بس میں نہ تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں کچھ ارشاد فرماتے، یا کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتے یا کوئی فیصلہ صادر فرماتے یا کوئی کام کرتے تو جو صحابہ اس وقت وہاں حاضر ہوتے وہ

---

[1] قیاس: کے لغوی معنی "اندازہ لگانے" کے ہیں اور ماہرین اصول فقہ کے ہاں اس کی مشہور تعریف یہ ہے "فرع پر اصل کا حکم لگانا ان دونوں (اصل اور فرع) کے درمیان موجود مشترک علت کی وجہ سے"

[2] استصحاب کی تعریف یہ ہے: "کسی چیز کو اپنی سابقہ حالت پر برقرار رکھنا تبدیلیٔ حالت یا حکم کے لیے دلیل کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔"

اسے دیکھ اور سن کر دوسروں تک پہنچاتے اس طرح احادیث نبوی دیگر صحابہ وتابعین اور بعد کے لوگوں تک پہنچیں۔

پھر کسی دوسری مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اور ارشاد یا فتویٰ یا فیصلہ یا عمل صادر ہوتا اور اس مجلس میں بعض ایسے صحابہ حاضر ہوتے جو پہلی مجلس میں موجود نہیں تھے پھر یہ صحابہ اس چیز کو دوسروں تک پہنچاتے، اس طرح ان لوگوں کو بعض ایسی چیزیں معلوم ہو جاتیں جن سے دوسرے ناواقف ہوتے اور دوسروں کے پاس ایسا علم ہوتا جن سے یہ بے خبر ہوتے۔

یوں تو معلومات کی زیادتی اور صحت کے پہلو سے خود صحابہ میں اور ان کے بعد بھی علماء کے درمیان فرق رہا ہے، لیکن کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث سے باخبر ہے۔

اس کی بہترین مثال خلفاء راشدین ہیں جو پوری امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امور آپ کی سنتوں اور آپ کے احوال سے سب سے زیادہ واقف تھے خصوصًا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اپنے بیشتر اوقات آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذارتے تھے اور سفر وحضر میں کسی وقت بھی آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے حتی کہ رات میں بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمانوں کے مختلف معاملات میں غور وخوض کرتے تھے، تقریبًا یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے: "میں، ابوبکر اور عمر گئے" "میں، ابوبکر اور عمر نکلے"

لیکن اس کے باوجود جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک موقع پر ایک بوڑھی خاتون نے دادی کی میراث کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: اللہ کی کتاب میں تیرا کوئی حق نہیں بیان کیا گیا ہے اور مجھے علم نہیں کہ سنت رسول میں اس سلسلے میں کچھ مذکور رہو۔ لیکن میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ جب انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے گواہی دی کہ آپؐ نے دادی کو چھٹا حصہ عطا فرمایا ہے[۱] اور یہ حدیث حضرت عمران بن حصینؓ سے بھی مروی ہے[۲]

[۱، ۲] دیکھئے: ترمذی کتاب الفرائض، باب ماجاء فی میراث الجدۃ، ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب فی الجدۃ۔

یہ تینوں صحابہ علم و فضل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے خلیفہ کے مرتبے کے نہ تھے لیکن اس سنت کا علم صرف انہی کو تھا ان کے سوا کسی کو نہ تھا
اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ استئذان (اجازت طلب کرنے[1]) کی سنت سے واقف نہ تھے یہاں تک کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انھیں اس کی اطلاع دی اور انصار کو اس پر گواہ بنایا، حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ اس سنت کو بیان کرنے والوں سے زیادہ ذی علم تھے[2]
اسی طرح حضرت عمرؓ اس بات سے واقف نہ تھے کہ عورت کو اپنے شوہر کی دیت میں سے حصہ (میراث) ملے گا بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دیت صرف عاقلہ[3] کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ضحاک بن سفیان الکلامیؓ نے۔ جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دیہاتوں کا امیر بنایا تھا۔ انھیں خبر دی کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم الضبابیؓ کی بیوہ کو اس کے شوہر کی دیت میں سے میراث عطا فرمائی تھی[4]۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنی سابقہ رائے بدل دی اور فرمایا: اگر میں یہ حدیث نہ سن لیتا تو میرا فیصلہ اس کے برخلاف ہوتا۔"
اسی طرح حضرت عمرؓ نہیں جانتے تھے کہ مجوس کے بارے میں جزیہ کا کیا حکم ہے؟ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انھیں بتایا کہ آپؐ کا ارشاد ہے "سنوا بہم سنۃ اھل الکتاب[5]" مجوس کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔

---

[1] سنت استئذان یہ ہے کہ کوئی شخص جب کسی کے یہاں جائے تو تین مرتبہ سلام کرے (یا اجازت چاہے) اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ واپس لوٹ جائے۔

[2] دیکھئے: بخاری کتاب الاستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثا۔

[3] عاقلہ: قاتل کے ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو اس کی طرف سے دیت (خونبہا) ادا کرتے ہیں۔ دیکھئے طلبۃ الطلبۃ للنسفی ص ۳۰۴ بحوالہ القاموس المحیط للفیروزآبادی۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مقتول ہونے کی صورت میں وہی لوگ دیت کے مستحق بھی ہوں گے۔ [4] دیکھئے: ترمذی کتاب الدیات، باب ماجاء فی المراۃ ہل ترث من دیۃ زوجہا۔ ابوداؤد: کتاب الفرائض، باب فی المراۃ ترث من دیۃ زوجہا، ابن ماجہ: کتاب الدیات باب المیراث فی الدیۃ۔ [5] مسند شافعی، مسند بزار، مؤطا مالک، ابوداؤد کتاب الخراج والفئی والامارہ، باب=

جب حضرت عمرؓ مقام سرغ[1] پہنچے اور وہاں آپ کو یہ اطلاع ملی کہ شام میں طاعون پھوٹ پڑا ہے تو آپ نے رفقاءِ سفر میں سے پہلے اولین مہاجرین سے پھر انصار سے پھر فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کرنے والوں سے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی لیکن کسی نے اس سلسلے میں سنت رسول نہ بتائی، حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إذا وقع بأرض وانتم بها، فلا تخرجوا فرارا منها، وإذا سمعتم به بأرض فلا تقدموا عليه[2] اگر کسی جگہ طاعون پھوٹ پڑے اور تم وہاں ہو تو طاعون کے ڈر سے وہاں سے نہ نکل بھاگو، اور اگر تمہیں کسی جگہ طاعون پھیلنے کی خبر ملے تو وہاں نہ جاؤ۔"

اگر نمازی کو شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں تو وہ کیا کرے؟ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے پوچھا لیکن ان میں سے کسی کو سنت معلوم نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے انھیں آپؐ کا یہ فرمان سنایا:" إنه يطرح الشك ويبنى على ما استيقن"[3] کہ وہ شک کو چھوڑ دے اور جس تعداد پر یقین ہے اس پر اعتماد کرتے ہوئے نماز پوری کرلے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے اچانک تیز ہوا چلنے لگی انھوں نے دریافت کیا "کون ہمیں ایسے وقت کی سنت بتائے گا؟" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آواز مجھ تک پہنچی میں بہت پیچھے تھا۔ میں نے اپنی سواری تیز کی اور ان کے پاس پہنچ کر انھیں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیز ہوا چلتے وقت کیا حکم دیا ہے۔[4]

= فی أخذ الجزیۃ من المجوس۔

[1] شام اور حجاز کی سرحد پر مغیثہ اور تبوک کے درمیان ایک مقام کا نام

[2] ملاحظہ ہو: بخاری۔ کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، مسلم، کتاب الطب، باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ ونحوہا۔

[3] دیکھئے مسلم کتاب المساجد، باب السہو فی الصلوٰۃ والسجود لہ، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ باب اذا شک فی الثنتین والثلاث من قال یلقی الشک۔

[4] دیکھئے: مسلم: کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤیۃ الریح والغیم، والفرح بالمطر۔ ترمذی: کتاب الدعوات، باب مایقول اذا ہاجت الریح، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب مایدعو بہ الرجل اذا رأی السحاب والمطر

یہ چند مواقع ہیں جن کے بارے میں حضرت عمرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم نہ تھی۔ اس کا علم انھیں اپنے سے کم رتبہ بعض صحابہ سے ہوا۔

کئی مواقع پر انھیں سنت کا علم نہ ہو سکا چنانچہ انھوں نے اپنی صوابدید پر فیصلہ یا فتویٰ صادر کر دیا۔

مثلاً انگلیوں کی دیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ جس طرح ان کے منافع یکساں نہیں ہیں اسی طرح ان سب کی دیت بھی یکساں نہیں ہوگی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم جن کا علمی مرتبہ ان سے کم تھا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے باخبر تھے کہ: "یہ اور یہ یعنی انگوٹھا اور چھنگلیا آخری چھوٹی انگلی دونوں کی دیت برابر ہے۔"[1] اس سنت کا علم حضرت معاویہؓ کو اپنے دورِ خلافت میں ہوا تو انھوں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اور مسلمانوں نے اس فیصلے کو قبول کیا۔ اس حدیث کے خلاف فیصلہ کرنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ وہ اس سے واقف ہی نہ تھے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ، آپ کے فرزند عبداللہؓ اور بہت سے اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم۔ مُحْرِم کو احرام سے پہلے اور (۱۰ ذی الحجہ کو) جمرۃ العقبہ کی رمی کے بعد طوافِ افاضہ سے پہلے خوشبو استعمال کرنے سے روکتے تھے کیونکہ انھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا علم نہ تھا کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام کے لیے احرام سے پہلے اور عام حالات میں طوافِ افاضہ سے پہلے خوشبو لگائی ہے۔"[2]

اسی طرح حضرت عمرؓ اس بات کے قائل تھے کہ موزوں پر مسح بلا تحدید اس وقت تک کیا جا سکتا ہے جب تک کہ انھیں اتار نہ دیا جائے۔ سلف کی ایک جماعت بھی اس معاملے میں آپ کی ہم خیال تھی کیونکہ ان تک تحدید کی وہ احادیث

---

[1] بخاری: کتاب الدیات باب دیۃ الأصابع، ابوداؤد: کتاب الدیات، باب دیات الاعضاء۔ ترمذی: کتاب الدیات، باب دیات الاعضاء، نسائی: کتاب القسامۃ باب عقل الاصابع۔

[2] دیکھئے: بخاری: کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام وما یلبس اذا اراد ان یحرم ویترجل ویدھن

نہیں پہنچی تھیں جو ان سے کم علم صحابہ کے پاس موجود تھیں۔ تحدید کی یہ احادیث آپؐ سے متعدد صحیح اسناد سے مروی ہیں [۱]

اسی طرح حضرت عثمانؓ کو یہ معلوم نہ تھا کہ بیوہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی یہاں تک کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہ بنت مالکؓ نے اپنا واقعہ بتایا کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اپنے گھر ہی میں رہو یہاں تک کہ عدت مکمل ہو جائے"۔[۲] حضرت عثمانؓ نے ان کی روایت کو قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ حالت احرام میں انھیں ایک ایسے جانور کا گوشت پیش کیا گیا جس کا شکار بطورِ خاص ان کے لیے کیا گیا تھا وہ اسے کھانے ہی والے تھے کہ حضرت علیؓ نے انھیں خبردار کیا کہ: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تھا مگر آپؐ نے لوٹا دیا تھا"۔[۳]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کوئی حدیث سنتا تو حسب توفیق اس سے فائدہ اٹھاتا تھا، لیکن جب کوئی دوسرا شخص مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا تھا۔ اگر وہ قسم کھا لیتا تھا تو میں اس کی بات کو سچ مان لیتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے بیان کیا ہے اور ابوبکرؓ سچے ہیں۔ پھر انھوں نے صلاۃ التوبہ کی مشہور حدیث بیان کی[۴]

---

[۱] ملاحظہ ہو: ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، نسائی: کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب طلوع الشمس من مغربہا۔

[۲] ملاحظہ ہو: ابوداؤد کتاب الطلاق، باب فی المتوفی عنہا تنتقل، ترمذی: کتاب الطلاق باب ماجاء این تعتد المتوفی عنہا زوجہا، نسائی: کتاب الطلاق: باب مقام المتوفی عنہا زوجہا فی بیتہا حتی تحل، ابن ماجہ: کتاب الطلاق، باب این تعتد المتوفی عنہا زوجہا،

[۳] دیکھئے ابن ماجہ کتاب المناسک، باب ماینہی عنہ المحرم من الصید۔

[۴] دیکھئے: ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار، ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الصلوٰۃ عند التوبہ؛ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ باب ماجاء فی ان الصلوٰۃ کفارۃ

حضرت علی، حضرت ابن عباس اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فتویٰ دیا کہ: "بیوہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن دونوں میں سے جو مدت زیادہ لمبی ہو وہ گذارے گی" انھیں حضرت شبیعۃ الاسلمیۃ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں سنت نبوی کا علم نہ تھا۔ ان کے شوہر حضرت سعد بن خولہؓ کے انتقال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ "ان کی عدت زچگی ہے"۔[1]

اسی طرح حضرت علی، حضرت زید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فتویٰ دیا کہ "مفوضہ"[2] کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ مہر کی حقدار نہ ہوگی"۔ کیونکہ انھیں حضرت بروع بنتِ واسق رضی اللہ عنہا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا علم نہ تھا۔[3]

یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ صحابۂ کرام سے اس طرح کے واقعات بہت بڑی تعداد میں منقول ہیں۔ رہے بعد کے لوگ تو ان سے مروی اس طرح کے واقعات کا احاطہ ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

یہ حضرات امت میں سب سے زیادہ ذی علم، صاحب فہم، متقی اور افضل تھے۔ بعد کے لوگوں کا مرتبہ ان سے کم ہے۔ اس لیے ان کا بعض سنتوں سے ناواقف رہ جانا عین ممکن ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہر صحیح حدیث ہر امام تک یا کسی خاص امام تک ضرور پہنچ گئی تھی تو وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال نہ ابھرے کہ تمام احادیث جمع کردی گئی تھیں پھر کیسے ان لوگوں تک نہیں پہنچیں؟ اس لیے کہ یہ کتابیں ائمہ فقہاء رحمہم اللہ کے انتقال کے بعد

---

[1] دیکھئے: بخاری: کتاب الطلاق، باب اولات الاحمال اجلہن أن یضعن حملہن۔ نسائی: کتاب الطلاق باب عدۃ الحامل المتوفی عنہا زوجہا، ابن ماجہ: کتاب الطلاق باب الحامل المتوفی عنہا زوجہا إذا وضعت حلت للأزواج۔

[2] جس عورت کا بغیر مہر کے نکاح ہو جائے۔

[3] ابوداؤد، کتاب النکاح باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا حتی مات، ترمذی: کتاب النکاح باب ما جاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنہا قبل ان یفرض لہا، نسائی: کتاب الطلاق، باب اباحۃ التزویج بغیر صداق، ابن ماجۃ: کتاب الطلاق، باب الرجل یتزوج فلا یفرض لہا فیموت علی ذلک۔

مدوّن ہوئی ہیں۔ یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ساری حدیثیں کتابوں میں جمع کردی گئی ہیں بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ساری حدیثیں کتابوں میں جمع کردی گئی ہیں تو ہر عالم کا ان سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک شخص کے پاس بہت سی کتابیں ہوتی ہیں لیکن ان کے مشتملات سے وہ واقف نہیں ہوتا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کا زمانہ کتب حدیث کی تدوین سے پہلے کا ہے وہ متاخرین سے زیادہ سنت سے باخبر تھے۔ اس لیے کہ بہت سی حدیثیں جو ان تک صحیح سند سے پہنچیں ہوسکتا ہے ہم تک بالکل نہ پہنچی ہوں یا کسی مجہول راوی یا منقطع سند سے پہنچی ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ ان حضرات کے سینوں میں کتابوں سے کئی گنا زیادہ علم پوشیدہ تھا۔

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جو شخص تمام حدیثوں سے باخبر نہ ہو وہ مجتہد نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اگر مجتہد کے لیے احکام سے متعلق تمام قولی اور فعلی احادیث سے واقفیت کی شرط لگا دی جائے تو اس پر پوری امت میں ایک شخص بھی پورا نہیں اتر سکتا بلکہ عالم کے لیے بس اتنا ممکن ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حدیثوں سے واقف ہو اور صرف چند حدیثیں ہی اس سے چھوٹیں اگرچہ ممکن ہے کہ یہ چند احادیث اس کے پاس موجود دیگر احادیث سے بعض معاملات میں مختلف ہوں۔

دوسرا سبب: حدیث کا ثابت نہ ہونا

ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث اس تک پہنچی ہو لیکن اس کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ کیونکہ اس سے وہ حدیث بیان کرنے والا راوی یا اس کا استاد یا سند کا دوسرا کوئی راوی اس امام کی نظر میں مجہول، متہم یا سیئ الحفظ ہو یا اسے وہ حدیث، سند متصل کے بجائے منقطع سند سے پہنچی ہو یا اس حدیث کے الفاظ منضبط نہ ہوں۔ جبکہ یہی حدیث کسی دوسرے امام کو ثقہ راویوں کے ذریعہ متصل سند سے پہنچی ہو یا وہ اس مجہول راوی کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ ثقہ ہے یا وہ حدیث اس امام سے ان مجروح راویوں کے علاوہ دیگر معتبر راویوں نے روایت کی ہو یا وہ حدیث اس منقطع سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے متصل ہو یا بعض حفاظ

حدیث نے اس حدیث کے الفاظ کو یاد رکھا ہو یا اس روایت کے دیگر شواہد اور متابعات مل جائیں جن سے اس کی صحت بے غبار اور واضح ہو جائے۔

ایسا بہت ہوا ہے خصوصًا تابعین، تبع تابعین اور بعد کے مشہور ائمہ کے دور میں اس کا تناسب پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے کہ احادیث اس زمانے میں بہت عام اور مشہور ہو چکی تھیں، لیکن بہت سے علماء کو وہ ضعیف سندوں سے ملتیں جبکہ دوسروں کو صحیح سندوں سے پہنچتی تھیں اس لیے بعض کے نزدیک وہ حجت ہوتی تھیں اسی لیے بہت سے ائمہ سے ہمیں اس طرح کے اقوال ملتے ہیں کہ "اس مسئلہ میں میرا یہ فتویٰ ہے البتہ اس سلسلے میں فلاں حدیث مروی ہے اگر وہ صحیح ہے تو پھر میرا بھی وہی قول ہے"۔

تیسرا سبب: حدیث کو ضعیف سمجھنا

ترک حدیث کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند سے قطع نظر کوئی امام اپنے اجتہاد سے اسے ضعیف سمجھے جبکہ دوسرے امام کا اجتہاد اس سے مختلف ہو، اب چاہے اس مسئلہ میں دونوں میں سے کسی ایک کا اجتہاد صحیح مانا جائے یا دونوں کا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ: "ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہے۔

کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے مختلف اسباب ہیں۔

ا۔ علم رجال بہت وسیع علم ہے دیگر علوم کی طرح اس میں بھی علماء کے درمیان بعض باتوں میں اجماع ہے اور بعض میں اختلافات رہے ہیں چنانچہ ممکن ہے کہ ایک حدیث کے کسی راوی کو ایک امام ضعیف قرار دیتا ہو جب کہ دوسرا اس کو ثقہ سمجھتا ہو اب یا تو اس کی رائے صحیح ہو گی جو اس کے راوی کو ضعیف قرار دے رہا ہے — — اس لیے کہ وہ اس میں کسی ایسے سبب سے واقف ہے جو راوی کو ضعیف بنا دیتا ہے یا دوسرے امام کی رائے صحیح ہو گی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ عیب اس راوی میں قادح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ عیب یا تو بذاتِ خود کسی کو ضعیف قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے یا اس راوی کے پاس کوئی ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے وہ اس عیب کی بنا پر ضعیف نہیں قرار پاتا ہے۔

۲۔ ایک امام یہ سمجھتا ہو کہ راوی نے وہ حدیث اپنے استاد سے نہیں سنی ہے جبکہ دوسرے کا خیال ہو کہ اس نے اسے اپنے استاذ سے سنا ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں جو معروف ہیں۔

۳۔ اس راوی کے دو مختلف حالات رہے ہوں۔ ایک حالت استقامت اور دوسری حالتِ اضطراب، مثلاً اس کی یادداشت میں کمی آجائے یا اس کی کتابیں جل جائیں۔ تو اس نے جو حدیثیں حالت استقامت میں بیان کی ہوں گی وہ صحیح ہوں گی اور جو حالتِ اضطراب میں بیان کی ہوں گی وہ ضعیف قرار پائیں گی۔ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ ایک امام کو معلوم نہ ہو کہ یہ حدیث کس دور کی ہے؟ جبکہ دوسرے کو معلوم ہے کہ وہ حالتِ استقامت کی ہے۔

۴۔ محدث اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بھول گیا ہو اور وہ بعد میں اسے یاد نہ آئے یا وہ انکار کرے کہ اس نے کبھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس صورت میں ایک امام یہ سمجھتا ہے کہ ایسی حدیث قبول نہیں کی جائے گی جبکہ دوسرے کے نزدیک اس سے استدلال صحیح ہے اور یہ مسئلہ مشہور ہے۔

۵۔ بہت سے علمائے حجاز یہ سمجھتے تھے کہ اگر عراق اور شامی حدیثوں کی اصل حجاز میں نہ ہو تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔ ان میں سے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ: "اہل عراق کی حدیثوں کو اہل کتاب کی روایات کا مرتبہ دو، انھیں سچ تسلیم کرو نہ جھٹلاؤ۔"

ایک دوسرے حجازی عالم سے پوچھا گیا: "کیا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود کی سند سے مروی روایت حجت ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "اگر اس کی کوئی اصل حجاز میں نہیں تو حجت نہیں۔"

یہ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اہل حجاز نے ساری حدیثیں جمع کرلیں ہیں اور کوئی حدیث ان سے نہیں چھوٹی ہے، اور اہلِ عراق کی حدیثوں میں اضطراب پایا جاتا ہے اس لیے ان کے سلسلے میں توقف کرنا ضروری ہے۔

بعض عراقی علماء یہ سمجھتے تھے کہ شامیوں کی حدیثیں قابلِ حجت نہیں ہیں۔ لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک اس وجہ سے کوئی حدیث ضعیف نہیں ہوگی۔ اگر کسی حدیث کی سند صحیح ہے پھر وہ حدیث حجت ہوگی خواہ اسے حجاز یا عراق یا شام یا کہیں کے

راویوں نے روایت کیا ہو۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جسے صرف ایک شہر والوں نے روایت کیا ہے۔ دوسرے شہر والوں سے وہ مروی نہیں ہیں جیسے مکہ، مدینہ، طائف، دمشق، حمص، کوفہ اور بصرہ وغیرہ۔

کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے اس کے علاوہ دیگر اسباب بھی ہیں۔

چوتھا سبب: بعض خاص شرطیں لگانا

ترک حدیث کا ایک سبب یہ ہے کہ کوئی امام حافظ عادل راوی کی روایت میں بعض ایسی شرطیں لگائے جس سے دوسرے متفق نہ ہوں۔

مثلاً بعض ائمہ کرام کی یہ شرط کہ حدیث کو کتاب وسنت پر پرکھا جائے اور بعض کی یہ شرط کہ اگر حدیث متعین اصولوں سے متعارض ہے تو راوی کا فقیہ ہونا ضروری ہے اور بعض کی یہ شرط کہ اگر حدیث ایسے مسئلہ سے متعلق ہو جو عام طور پر پیش آتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ مشہور ہو اور بہت سے لوگ اس سے باخبر ہوں۔

یا اس جیسی دیگر شرطیں جو معروف ہیں۔

پانچواں سبب: حدیث کو بھول جانا

حدیث کسی امام کو ملی ہے اور اس کے نزدیک صحیح بھی ہے لیکن وہ اسے بھول گیا۔ نسیان کا خطرہ قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں میں ہے۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور واقعہ کہ ان سے پوچھا گیا اگر مسافر کو حالت سفر میں غسل کی حاجت پیش آجائے اور پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ انھوں نے فرمایا: جب تک پانی نہ ملے وہ نماز نہیں پڑھے گا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بول پڑے "اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں، جب ہم دونوں ایک مرتبہ سفر میں تھے اور جنبی ہو گئے تھے میں نے جانور کی طرح لوٹ پوٹ لگائی تھی اور اس طرح اپنے خیال میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی تھی جبکہ آپ نماز سے رکے رہے پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے لیے ایسا کرنا کافی تھا" یہ کہہ کر آپ نے دونوں دست مبارک زمین پر مارے پھر ان سے اپنے چہرۂ انور اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اے عمار، اللہ سے ڈرو (یعنی مجھے تو یاد نہیں) انھوں نے کہا اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث بیان نہ کروں حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں بلکہ آپ اس کو بیان کیا کریں۔[1]

حضرت عمرؓ اس واقعہ کے عینی شاہد تھے لیکن وہ اسے بھول گئے بلکہ اس کے خلاف فتویٰ بھی دیدیا تھا اور حضرت عمارؓ کی یاد دہانی کے باوجود انھیں یاد نہیں آیا۔ لیکن انھوں نے حضرت عمارؓ کو جھٹلایا نہیں بلکہ فرمایا کہ اس حدیث کو بیان کیا کریں۔

اس سے بھی زیادہ صریح واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا: "اگر کوئی شخص ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران سے زیادہ مہر متعین کرے گا تو میں اس زیادتی کو ختم کر دوں گا۔" اس پر ایک عورت نے کہا: "امیر المومنین، آپ ہمیں اس چیز سے کیوں محروم کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشی ہے پھر اس نے یہ آیت پڑھی: " وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا[2] (...خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا)

اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی بات واپس لے لی۔ یہ آیت انھیں معلوم تھی لیکن اس وقت وہ بھول گئے تھے۔

اسی طرح کی ایک روایت تاریخ میں آتی ہے کہ "حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو جنگ جمل کے دن ایک ایسی بات یاد دلائی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے کہی تھی۔ حضرت زبیر کو وہ یاد آ گئی اور وہ جنگ سے باز آ گئے[3]

---

[1] دیکھئے: بخاری، کتاب التیمم: باب التیمم ہل ینفخ فیہما، مسلم: کتاب الحیض، باب التیمم۔ ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ترمذی: کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی التیمم، نسائی: کتاب الطہارۃ باب التیمم فی الحضر، ابن ماجۃ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب ما جاء فی التیمم ضربۃ واحدۃ۔

[2] سورہ النساء: ۲۰

[3] البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر: ۲۴۰/۷

متقدمین اور متاخرین علماء کے یہاں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں

چھٹا سبب: حدیث کا مفہوم نہ سمجھ پانا

ترک حدیث کا ایک اہم سبب حدیث کا مفہوم نہ سمجھ سکنا بھی ہے۔ ایسا کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ حدیث میں وارد لفظ نیا اور مشکل ہوتا ہے۔ جیسے "المزابنۃ"[1] "المخابرۃ"[2]، "المحاقلۃ"[3]، "الملامسۃ"[4]، "المنابذۃ"[5]، اور "الغرر"[6] یا اس جیسے دیگر الفاظ جن کے مفہوم میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ اور جیسا کہ ایک مرفوع حدیث ہے "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق"[7] ("اغلاق" میں دی جانے والی طلاق اور آزادی صحیح نہیں ہے) اس میں لفظ "اغلاق" کا ترجمہ بعض نے اکراہ (زبردستی) کیا ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں ان کے نزدیک "اغلاق" کا یہ مفہوم نہیں ہے۔

کبھی اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی امام کی زبان اور عرف میں ایک لفظ کا جو معنی ہوتا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی زبان سے مختلف ہوتا ہے لیکن وہ یہ سمجھ کر کہ یہ مفہوم اب تک باقی ہے اسے اپنی زبان میں معروف معنی پر محمول کر لیتا ہے۔

مثلاً بعض علماء نے "نبیذ" کے بارے میں رخصت کی چند حدیثیں سنیں اور یہ سمجھ لیا کہ اس سے وہی نشہ آور چیزیں مراد ہیں جنھیں ان کے عرف میں نبیذ کہا جاتا

---

[1] المزابنۃ: درخت پر موجود گیلی کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچنا۔

[2] المخابرہ: کھیتی سے حاصل ہونے والے غلہ یا پھل کے ایک متعین حصہ جیسے چوتھائی یا تہائی کے بدلے کاشت کرنا۔

[3] المحاقلہ: اس کی تفسیر میں اختلاف ہے: (۱) غلہ کی متعین مقدار جیسے ۱۰۰ من کے بدلے زمین کو کرایہ پر دینا۔ (۲) غلہ کی متعین مقدار جیسے چوتھائی، تہائی پر بٹائی کرنا، (۳) کھیتی کو پکنے سے پہلے فروخت کر دینا۔

[4] الملامسۃ: یہ کہنا کہ جب تم میرا کپڑا یا میں تمہارا کپڑا چھولوں گا تو سودا طے ہو جائے گا۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کا سودا اسے دیکھے بغیر محض چھو کر کیا جائے۔

[5] المنابذہ: ایک دوسرے کی چیز کو کنکری پھینک کر متعین کرنا اس طرح کہ اس کا لینا ضروری ہو۔

[6] ہر وہ سودا جس کے ظاہر سے خریدار دھوکا کھا جائے اور اس کی اندرونی حالت پوشیدہ رہے۔

[7] دیکھیے: ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فی الطلاق علی غلط (علی غضب)

تھا حالانکہ حدیث میں نبیذ سے مراد وہ میٹھا شربت ہے جس میں کھجور وغیرہ ڈال کر چھوڑ لیا جاتا ہے اور نشہ پیدا ہونے سے پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بہت سی صحیح احادیث میں اس کی یہ تشریح مذکور ہے۔

اسی طرح قرآن وسنت میں وارد لفظ "الخمر" سے انھوں نے صرف انگوری شراب سمجھی اس لیے کہ ان کے عرف میں "الخمر" کا اطلاق صرف اسی پر ہوتا تھا حالانکہ بہت سی صحیح حدیثوں میں بیان کیا گیا کہ "خمر" کا اطلاق ہر نشہ آور مشروب پر ہوتا ہے[1]۔

بعض اوقات حدیث کا مفہوم سمجھنے میں اس لیے دشواری ہوتی ہے کہ ایک ہی لفظ متعدد معانی کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے یا وہ مجمل (تفصیل طلب) ہوتا ہے یا اس کے دو معانی ہوتے ہیں ایک حقیقی اور دوسرا مجازی، اب وہ امام جس معنی کو زیادہ بہتر اور مناسب سمجھتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہے حالانکہ وہاں دوسرا معنی مراد ہوتا ہے۔

مثلاً صحابہ کی ایک جماعت نے ابتدا میں آیات صیام میں "الخیط الابیض والخیط الاسود" کو حقیقی سفید اور سیاہ دھاگوں پر محمول کیا[2]۔

بعض صحابہ نے سمجھا کہ آیت تیمم "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم" میں "ایدیکمْ" سے پورا ہاتھ مراد ہے۔

بعض اوقات فہم حدیث میں اس لیے غلطی ہو جاتی ہے کیوں کہ اس عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ عربی میں دلالت کے بہت سے پہلو ہیں ان کا ادراک کرنے اور کلام کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں سب لوگ برابر نہیں ہوتے ان کے درمیان صلاحیتوں اور قابلیتوں کا کافی فرق ہوتا ہے۔

ایک شخص کلام کو اس کے عموم پر محمول کر کے سمجھ لیتا ہے لیکن اسے یہ احساس نہیں ہو پاتا کہ یہ معنی اس عموم میں داخل ہے اور کبھی اسے سمجھ تو لیتا ہے لیکن بعد میں

---

[1] دیکھئے: بخاری: کتاب الأشربۃ باب الخمر من العنب وغیرہ، مسلم: کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر، ابوداؤد کتاب الاشربۃ، باب فی تحریم الخمر، ترمذی: کتاب الاشربۃ: باب ما جاء فی الحبوب التی یتخذ منہا الخمر۔

[2] احمد، بخاری، مسلم۔

بھول جاتا ہے اور یہ بھی بہت وسیع باب ہے جس کا احاطہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔ بعض اوقات غلطی سے کسی عبارت سے کوئی ایسا معنی نکال لیتا ہے جس کی عربی زبان میں گنجائش نہیں ہوتی۔

ساتواں سبب: یہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث اس مسئلہ کے لیے دلیل نہیں بن سکتی

گذشتہ سبب اور اس میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ سبب میں امام وجہ استدلال ہی نہیں سمجھ پاتا جبکہ اس میں وہ وجہ استدلال تو سمجھتا ہے لیکن اس استدلال کو صحیح نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک کچھ اصول اس مفہوم سے ٹکراتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح ہے یا غلط۔

مثلاً یہ سمجھے کہ عام مخصوص (جس کی تخصیص ہوگئی ہو) حجت نہیں ہے یا یہ سمجھے کہ اس سے جو مفہوم سمجھ میں آرہا ہے وہ حجت نہیں ہے یا وہ عام حکم جس کا بیان کسی سبب کے ساتھ ہو وہ اسی کے ساتھ خاص ہوگا یا مجرد حکم وجوب پر دلالت نہیں کرتا یا اس کی فوری تعمیل ضروری نہیں یا یہ کہ کوئی لفظ الف لام کے ذریعہ معرفہ ہو تو اس میں عموم نہیں ہوتا یا منفی افعال سے ان کے ذوات کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ان کے تمام افعال کی نفی ہوتی ہے یا یہ کہ مقتضی کے لیے کسی طرح کا عموم نہیں ہے چنانچہ ضمائر اور معانی میں عموم کا دعویٰ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح کے دیگر اصول جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔

اصول فقہ کے نصف سے زائد مختلف فیہ مسائل کا تعلق اسی قسم سے ہے اگرچہ اصول مجردہ میں پائے جانے والے تمام مختلف فیہ دلالتوں کا ابھی تک احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔

اسی میں دلالتوں کی جنس کے افراد بھی داخل ہوجاتے ہیں کہ آیا وہ اسی کی جنس سے ہیں یا نہیں؟

مثلاً کسی متعین لفظ کے متعلق امام یہ سمجھے کہ یہ مجمل (تفصیل طلب) ہے اس لیے کہ وہ متعدد معانی کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے اور وہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو کسی ایک معنی کو متعین کرسکے وغیرہ۔

آٹھواں سبب: یہ سمجھنا کہ معارض دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا یہ مفہوم مراد نہیں ہے۔

ترک حدیث کا ایک اہم سبب امام کا یہ سمجھنا ہے کہ اس سے استدلال سے کوئی ایسی دلیل متعارض ہے جو اس معنی کے یہاں مقصود نہ ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ مثلا عام اور خاص، مطلق اور مقید، امر مطلق اور منافی وجوب اور حقیقت و مجاز وغیرہ کے درمیان تعارض اور یہ بھی ایک وسیع باب ہے۔

اس لیے کہ مفاہیم کے درمیان تعارض اور ان کے مابین ترجیح ایک انتہائی پیچیدہ کام ہے جو وسیع علم اور طویل تجربہ کا متقاضی ہے۔

نواں سبب: ایک حدیث کو کسی دوسری حدیث سے متعارض سمجھنا

اس کا ایک اہم سبب امام کا یہ سمجھنا بھی ہے کہ اس حدیث سے کوئی ایسی چیز معارض ہے جو اس کے ضعیف، یا منسوخ، یا مؤول ہونے پر دلالت کر رہی ہے بشرطیکہ وہ حدیث قابل تاویل ہو اور وہ چیز معارض بننے کی اہلیت رکھتی ہو مثلاً آیت یا حدیث یا اجماع۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

اول یہ کہ وہ سمجھے کہ معارض دلیل فی الجملہ راجح ہے اس صورت میں تین میں سے کوئی ایک بات ضرور ہو گی یعنی یا تو وہ ضعیف قرار پائے گی یا منسوخ یا قابل تاویل۔ ان میں سے کیا ہے یہ متعین نہیں ہو گا۔

کبھی مذکورہ تینوں صورتوں میں سے ایک صورت متعین ہو جائے گی مثلاً وہ سمجھے گا کہ یہ منسوخ یا قابل تاویل ہے اگرچہ اس کا امکان ہے کہ اسے منسوخ یا قابل تاویل سمجھنے میں وہ غلطی پر ہو یا وہ مؤخر کو مقدم سمجھ لے یا حدیث کی ایسی تاویل کر لے جس کی حدیث کے الفاظ میں گنجائش نہ ہو یا کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس معنی کے مراد ہونے سے مانع ہے۔

اگر مجملاً کوئی حدیث اس حدیث سے معارض ہو تب بھی بعض اوقات وہ معارض حدیث دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ سند یا متن کے لحاظ سے وہ پہلی حدیث سے

فروتر ہوتی ہے۔ ایسی جگہ گذشتہ دیگر اسباب بھی پہلی حدیث میں آتے ہیں۔

عام طور پر جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی حقیقت بس اتنی ہوتی ہے کہ دعویٰ کرنے والے کو اس سے کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہوتا۔

ہم نے متعدد ایسے علماء دیکھے ہیں جو بہت سی چیزوں کے محض اس وجہ سے قائل ہو گئے کہ ان کے پیش روؤں نے بھی وہی کہا ہے اور اس کے خلاف کسی نے کچھ کہا ہو اس کا انھیں علم نہیں۔ حالانکہ دلائل کا ظاہری پہلو ان کے نزدیک اس کے مخالف حکم کا تقاضا کرتا تھا۔ لیکن عالم کے لیے ممکن نہیں کہ وہ کوئی ایسی بات کہے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کہی ہو حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اسی لیے بعض علماء احتیاطاً یوں کہتے تھے۔" اگر اس مسئلہ میں اجماع ہے تو اسی کی پیروی زیادہ مناسب ہے ورنہ میری یہ رائے ہے۔"

اور جیسا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ: "میں نہیں جانتا کہ کسی نے غلام کی گواہی کو جائز قرار دیا ہو" حالانکہ حضرت علیؓ، انسؓ اور شریحؒ وغیرہ سے اس کا جواز منقول ہے۔

ایسے ہی بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ: "علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو غلام پوری طرح آزاد نہیں ہوا وہ میراث نہیں پائے گا۔" حالانکہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اسے وراثت کا مستحق قرار دیتے ہیں اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حسن حدیث بھی مروی ہے[1]۔

اسی طرح بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ: "میں نہیں جانتا کہ کسی نے نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کو واجب کہا ہو" حالانکہ ابوجعفر الباقر اس کے قائل ہیں[2]۔

ایسا اس لیے ہوتا تھا کہ بہت سے اہل علم صرف ان علماء کے اقوال سے واقف ہوتے تھے جنھیں وہ اپنے شہر میں پاتے تھے، اور دیگر علماء کے اقوال سے

---

[1] ملاحظہ ہو: ابوداودؒ کتاب الدیات، باب فی دیۃ المکاتب ۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی المکاتب اذا کان عندہ ما یؤدی ۔ نسائی: کتاب القسامۃ باب دیۃ المکاتب

[2] اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا رسالہ "جلاء الافہام فی الصلوۃ علی خیر الانام" ملاحظہ ہو۔

وہ ناواقف ہوتے تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ متقدمین میں سے بہت سے علماء صرف مدنی، یا کوفی علماء کے اقوال جانتے تھے اور بہت سے متاخرین صرف دو یا تین ایسے ائمہ کے اقوال جانتے تھے جن کی عام طور پر تقلید کی جاتی ہے اگر کوئی شخص ان سے ہٹ کر کوئی بات کہے تو وہ ان کے نزدیک اجماع کا مخالف قرار پاتا تھا اس لیے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ کوئی اس کا قائل رہا ہے۔ حالانکہ برابر ان کے کانوں تک مخالف اقوال پہنچتے رہتے ہیں۔

اسی لیے وہ کوئی ایسی حدیث قبول نہیں کرتا جو حقیقۃً یا بزعم خویش اس کے نزدیک اجماع کے خلاف ہو کیونکہ اجماع ان کے نزدیک سب سے بڑی دلیل ہے۔

بہت سے علماء نے اسی عذر کی بنیاد پر بہت سی حدیثیں ترک کر دی ہیں ان میں سے بہت سے واقعۃً معذور رہیں جبکہ بہت سے دوسرے معذور بن گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ معذور نہیں ہیں۔

بہت سے دیگر اسباب میں بھی یہی صورت حال ہے۔

دسواں سبب: کسی دوسری دلیل کا اس سے متعارض ہونا

ترک حدیث کا ایک اہم سبب امام کے نزدیک حدیث کا کسی ایسی دلیل سے متعارض ہونا ہے جو اس حدیث کے ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل ہونے پر دلالت کرے جبکہ دوسرے کے نزدیک یہ دلیل متعارض نہ ہو یا یہ کہ فی الواقع وہ کوئی راجح متعارض نہیں ہے۔

مثلاً بہت سے علماء کوفہ کے نزدیک صحیح حدیث کا ظاہر قرآن سے متعارض ہونا اور ان کا یہ سمجھنا کہ ظاہر قرآن جیسے عموم وغیرہ نص حدیث پر مقدم ہیں۔

بعض اوقات ایک شخص ایسی چیز کو ظاہر سمجھ لیتا ہے جو دراصل ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ دلالت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے فقہاء کوفہ نے "الشاہد والیمین" (گواہ اور قسم) والی حدیث رد کر دی حالانکہ دوسرے علماء جانتے ہیں کہ قرآن کے ظاہری الفاظ میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو گواہ اور قسم کے حکم سے مانع ہو اور اگر ایسا ہو تب بھی ان کے نزدیک حدیث قرآن کریم

کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہے۔

اس قاعدہ کے سلسلے میں امام شافعی کی بحث مشہور ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی ایک مشہور رسالہ ان لوگوں کی تردید میں ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کا ظاہری مفہوم کافی ہے۔ اس کی تفسیر کے لیے حدیث کی ضرورت نہیں اس کے انھوں نے متعدد دلائل دیے ہیں۔ یہاں ان کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔

اسی طرح بعض لوگ ایسی حدیث کو قبول نہیں کرتے جس میں قرآن کے عموم کی تخصیص یا اس کے مطلق کی تقیید، یا اس پر کوئی اضافہ ہو اور یہ سمجھتے ہیں کہ نص قرآنی پر اضافہ مثلاً اس کے مطلق کو مقید کرنا یا اس کے عام کو خاص کرنا نسخ کے مترادف ہے۔

اور جیسا کہ بہت سے فقہاء مدینہ کے نزدیک اگر صحیح حدیث عمل اہل مدینہ سے متعارض ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی صحیح حدیث کی مخالفت میں اہلِ مدینہ کا اجماع ہو تو ان کا اجماع حجت ہے اور اسے حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

چنانچہ اسی بنیاد پر انھوں نے "خیار مجلس" والی احادیث کی مخالفت کی اگرچہ اکثر علماء ثابت کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خود فقہاء مدینہ کے درمیان اختلاف ہے اور اگر ان سب کا کسی مسئلہ میں اجماع ہوتا اور دوسرے ان کے مخالف ہوتے تب بھی حدیث ہی حجت ہوگی۔

نیز جیسے کہ کوفہ اور بصرہ کے علماء قیاس جلی کی بنیاد پر بعض احادیث کی مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسی احادیث سے قواعد کلیہ نہیں توڑے جاسکتے ہیں۔ تعارض کی اسی طرح اور بھی بہت سی صورتیں ہیں، چاہے معارض صحیح ہو یا غلط۔

ترک حدیث کے یہ دس اسباب ہیں جو بہت واضح ہیں۔

ترکِ حدیث کے دیگر اسباب

بہت سی احادیث کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے مذکورہ اسباب کے علاوہ کسی دیگر سبب سے جسے ہم نہیں جانتے ہیں امام نے ان پر عمل نہ کیا ہو اس لیے کہ علم کے بہت سے مراتب ہیں اور علماء کے سینوں میں پوشیدہ تمام باتوں سے ہم واقف نہیں۔ عالم کبھی اپنی دلیل کا اظہار کردیتا ہے اور کبھی نہیں کرتا اور اگر اظہار کردیتا ہے تو کبھی وہ ہم تک پہنچتی -

ہے اور کبھی نہیں پہنچتی اور اگر ہم تک پہنچ جاتی ہے تب بھی کبھی ہم اس کی وجہ استدلال سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور کبھی آگاہ نہیں ہو پاتے خواہ وہ دلیل بذات خود صحیح ہو یا نہ ہو۔

غلطی کا احتمال شرعی دلائل کے مقابلے میں علماء کی آراء میں زیادہ ہے

ہم اگرچہ ان احتمالات کو ممکن سمجھتے ہیں لیکن ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی ایسے حکم کو جس کی دلیل صحیح حدیث سے ہم پر ظاہر ہو جائے اور اہل علم کی ایک جماعت اس کی تائید کرتی ہو اس کو چھوڑ کر کسی امام کا قول اختیار کریں خواہ وہ کتنا ہی بڑا صاحب علم کیوں نہ ہو۔ محض اس بنیاد پر کہ اس کے پاس اس دلیل کا کوئی نہ کوئی جواب ہوگا، اس لیے کہ کسی عالم کی رائے میں غلطی کا امکان شرعی دلائل میں غلطی کے امکان کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوتا ہے. شرعی دلائل اللہ کی طرف سے تمام انسانوں پر حجت ہیں جب کہ کسی عالم کی رائے کو یہ مقام حاصل نہیں۔

نیز دلیل شرعی سے اگر کوئی دوسری دلیل متعارض نہ ہو تو اس کے غلط ہونے کا امکان نہیں ہے جب کہ عالم کی رائے میں یہ بات نہیں ہے۔

اعلان ملکیت سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ فارم ۴۔ رول ۹

۱۔ مقام اشاعت: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔

۲۔ نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔ پرنٹر، پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔ قومیت: ہندوستانی

پتہ: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ، یوپی۔

۵۔ ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری

پتہ: پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ، یوپی

۶۔ ملکیت: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ، یوپی

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

(۱) مولانا محمد فاروق خاں (صدر) بازار چتلی قبر، دہلی ۶

(۲) ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی۔ فریدی ہاؤس، سرسید نگر علیگڑھ

(۳) جناب امین الحسن رضوی (رکن) ۹/۶۴۰ کاشانۂ رضوی۔ ذاکر نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

(۴) ڈاکٹر محمد رفعت، شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ۔ نئی دہلی

(۵) مولانا کوثر یزدانی ۱۳۵۲۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی

(۶) ٹی۔ کے عبداللہ۔ مالاقن کنڈی ہاؤس، پلیری، کالی کٹ۔

(۷) ڈاکٹر حمید اللہ۔ مزمل منزل کمپلکس، علی گڑھ

(۸) ڈاکٹر احمد سجاد۔ طارق منزل۔ بریاتو ہاؤسنگ کالونی۔ رانچی

(۹) ڈاکٹر عبدالحق انصاری۔ 'الریحان' مزمل منزل۔ علی گڑھ

(۱۰) محمد جعفر۔ ابو الفضل انکلیو۔ نئی دہلی۔

(۱۱) سید جلال الدین عمری (سکریٹری)

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

مندرجہ معلومات میری علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر: سید جلال الدین عمری